سلسلہ آداب زندگی

ایمانیات

ارکانِ ایمان

تالیف

عبدالقیوم محمد شفیع بستوی

ناشر

مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ السّلفیۃ، سدھارتھ نگر، یوپی

سلسلۂ آداب زندگی (۱)

ایمانیات

ارکان ایمان

کتاب وسنت کی روشنی میں ارکان ایمان کی وضاحت

تالیف

عبدالقیوم محمد شفیع بستوی

ناشر

مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ السّلفیہ، سدھارتھ نگر (یوپی)

نام کتاب : ارکان ایمان

(کتاب وسنت کی روشنی میں ارکان ایمان کی وضاحت)

مؤلف : عبدالقیوم محمد شفیع بستوی

ناشر : مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ السلفیہ، بتری بازار، سدھارتھ نگر (یوپی)

پروڈکشن : Applied Publications Pvt. Ltd.

1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2 Ph: 3289268

کمپوزنگ : نیشنل کمپیوٹر سنٹر، A-17، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

طبع اول : جنوری ۲۰۰۲ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : ۲۵/- روپے

ملنے کے پتے:

☆ اپلائڈ پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 1739/3،
نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲

☆ مکتبہ ترجمان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

☆ الکتاب انٹرنیشنل، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

☆ دارالکتب الاسلامیہ، اردو مارکیٹ، ۴۱۶ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

Printed at Asila Offset Printers, New Delhi-110002

فہرست مضامین

☆ ☆ ☆

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤمِنَ بِاللّٰہِ
وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ
وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ
وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ.

(متفق علیہ)

ترجمہ:

ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر،
اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر،
اور اس کے رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر،
اور اس پر کہ خیر وشر سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

ایمان وعقیدہ مومنانہ زندگی کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اس عمارت کا استحکام و بقا ایمان وعقیدہ کا مرہون منت ہے۔ زندگی کے روز وشب اس کی ہدایت و رہنمائی کے محتاج ہیں اور اس کا دائرۂ اثر دنیا و آخرت کے دور دراز گوشوں کو محیط ہے۔ ارکان ایمان کی صحیح تفہیم کے بعد فکر وعمل میں وہ اعتدال پیدا ہوتا ہے جو امت وسط کی نمایاں خصوصیت ہے۔ فکر وعمل کے عالمگیر تاریخی انحرافات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس کا بنیادی اور اولین سبب اجزائے ایمان میں موجود فطری بسط وتعلق کا فقدان رہا ہے۔ بدعملی اور بے عملی کے محرکات تلاش کیجیے تو اس کے پیچھے بھی ایمان کی کمزوری ہی کارفرما نظر آئے گی۔

زیر مطالعہ کتاب ''ارکانِ ایمان'' میں ایمان کے ارکان ستہ کا تعارف کتاب و سنت کی روشنی میں انتہائی مؤثر اور دل نشیں اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ گرد و پیش میں موجود بعض بے اعتدالیاں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ کتاب کے ان مباحث سے ہم ایمان وعقیدہ کے سلسلہ میں پائی جانے والی خرابیوں سے خود کو دور رکھ سکتے ہیں۔

کتاب کے مصنف شیخ عبدالقیوم محمد شفیع بستوی حفظہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل ہیں۔ آں محترم تحقیق وتصنیف، دعوت وتبلیغ اور درس و تدریس کے میدان میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ اسلامی تراث پر گہری نظر ہے اور قدرت کی طرف سے مؤثر اظہار بیان عطا ہوا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے اور مؤلف اور ناشر کو زیادہ سے زیادہ دین وعلم کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)

— ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مسلمانوں کی دینی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں: (۱) ایمان۔ (۲) عمل صالح۔ دنیا و آخرت کی کامیابی انہی دونوں پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں بار بار ایمان و عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ...... الآیۃ ﴾ (سورۃ العصر: ۳-۱)

''زمانے کی قسم یقیناً! انسان گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال انجام دیئے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ (سورۃ الکہف: ۱۰۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے فردوس کی جنتیں ان کی منزلیں ہوں گی۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴾ (البینۃ: ۷)

''یقیناً جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال کیے وہی لوگ مخلوق کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔''

البتہ وہ کون سا ایمان ہے جو اللہ کے نزدیک قبولیت کا درجہ رکھتا ہے اور وہ کون سا عمل ہے جو صالح یا نیک کہلائے جانے کا مستحق ہوتا ہے؟ اس کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ سلسلہ آداب زندگی میں قرآن وسنت کی روشنی میں دینی زندگی کے انہی دونوں پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہوئے زیر مطالعہ کتاب میں ایمان کے اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں تاکہ بندۂ مومن ہر قسم کے شرک و بدعت

سے دور رہ کر خالص اسلامی عقیدہ کے تحت نیک اعمال انجام دے سکے۔ کیوں کہ شرک ایک ایسی برائی ہے جو تمام نیک اعمال کو برباد کر دینے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾
(النساء: ۴۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اس کے علاوہ دیگر برائیوں کو جس کے حق میں چاہے گا تو معاف کر دے گا۔''

اسی طرح بدعت اور خرافات کے تحت کئے گئے اعمال بھی ان کے کرنے والوں کے منہ پر مار دیے جاتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کا شمار گمراہی میں ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد عليه۔ (متفق علیہ)

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔''

اور فرمایا:

﴿ شر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. ﴾

''دین کے معاملہ میں سب سے برا وہ کام ہے جو دین میں نیا ایجاد کیا جائے۔ اور ہر نیا ایجاد کیا گیا عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس لئے خالص اسلامی عقیدہ سیکھنا اور اپنے اعمال کو کتاب و سنت کے آئینہ میں ڈھالنا ہمارے اولین دینی فرائض میں شامل ہے۔ زیر نظر کتاب اسی مقصد کے حصول کی ایک کوشش ہے۔ اللہ کرے کہ یہ کوشش خود مصنف اور قارئین کے حق میں مفید اور نفع بخش ثابت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مصنف اور اس کے والدین کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

وما توفيقي الا بالله وله الحمد في الاولى والآخره.

عبدالقیوم محمد شفیع بستوی

رأس الخيمه. الامارات العربيه المتحدة

ایمان

ایمان کا لغوی معنی ہے تصدیق کرنا اور شریعت میں ایمان کے معنی ہیں: ان امور کی تصدیق کرنا جن کی تصدیق کرنے کا حکم کتاب وسنت میں دیا گیا ہے۔ اسی کو اعتقاد بھی کہتے ہیں۔ ایمان کا اجمالی تذکرہ اس حدیث میں آیا ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کی حقیقت دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ	ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ
۱- بِاللّٰہِ،	اللہ پر،
۲- وَمَلَائِکَتِہٖ،	اور اس کے فرشتوں پر،
۳- وَکُتُبِہٖ،	اور اس کی کتابوں پر،
۴- وَرُسُلِہٖ،	اور اس کے رسولوں پر،
۵- وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ،	اور آخرت کے دن پر،
۶- وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ، (متفق علیہ)	اور اس پر کہ خیر وشر سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہے۔

ان چھ۶ باتوں پر ایمان لانے کو ارکان ایمان کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی بھی ایک رکن پر ایمان لانے سے انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ ارکان ایمان کا یہ اجمالی تذکرہ ہے۔ ذیل میں ہر ایک کی مختصر وضاحت پیش کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات پر اعتقاد رکھیں کہ تمام کائنات جو ہماری آنکھوں کے سامنے اور جو ہمارے علم وادراک میں ہے اور جو ہماری آنکھوں سے اوجھل اور علم وادراک سے دور ہے، وہ سب ایک ہی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق ہے اور تمام کائنات کے اندر جو کچھ رونما ہوتا ہے سب کچھ تنہا اس کی تدبیر اور تصرف کا نتیجہ ہے، کائنات کے اندر تمام مخلوقات کے ارادے اور ان کی حرکات وتصرفات اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (التکویر:۲۹)

''تمہارے چاہنے سے اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص اور ہر عیب سے پاک اور ہر کمال اور ہر خوبی سے متصف ہے۔ پوری کائنات اپنے وجود اور بقا میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ وہ ہر اعتبار سے بے نیاز اور کسی کا بھی محتاج نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے اور اس کے بہت سے پیارے نام ہیں۔ ہر نام اس کی کسی صفت اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی ذات وصفات سے متعلق

بہت سے نصوص وارد ہیں، جن میں اس کی وحدت، بے نیازی، انفرادیت، عظمت، بلندی ورفعت، قربت وقدرت، رحمت، مغفرت، محبت، غضب، انتقام، جیسی صفات کا تذکرہ ہے۔

مثال کے طور پر ایک جگہ فرمایا:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (الحشر: ۲۳،۲۴)

''وہ اللہ کی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے وہ انتہائی مقدس ہے، وہ امن وسلامتی والا ہے، وہ سب پر قابو رکھنے والا ہے، وہ غالب ہے اور بہت بڑی قدرت وطاقت اور بڑائی کا مالک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے، وہ اللہ ہی کی ذات ہے جو سب کا خالق اور کائنات کو وجود بخشنے والا اور سب کی صورتیں بنانے والا ہے۔ تمام بہترین نام اسی کے لیے ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں جو مخلوق ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے وجود کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی انتہا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ۝﴾ (الحدید: ۳)

''وہ اول بھی ہے اور وہ آخر بھی ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے،

اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اور بھی بہت سے پیارے نام ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان للّٰہ تسعة وتسعين اسماً مائة الا واحدة من أحصاها دخل الجنة. (بخاری ۷/۱۶۹)

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے لئے ننانوے (۹۹) نام ہیں، جو انہیں محفوظ کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوْا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَائِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

''اور اللہ ہی کے لئے پیارے نام ہیں لہٰذا تم لوگ اس کو انہی پیارے ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑو جو کہ اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں، عنقریب ہی وہ اپنے عمل کا بدلہ دیے جائیں گے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا واسطہ دے کر اسے پکارا جائے اور اس سے استغاثہ کیا جائے مثلاً کہا جائے کہ اے اللہ تو رحمٰن ہے تو رحیم ہے تو غفور ہے تو غفار ہے۔ تیری رحمت ومغفرت کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہم پر رحم فرما۔ تو ہماری مغفرت فرما۔

اپنی دعاؤں میں کسی بھی مخلوق خواہ نبی اور ولی ہی کیوں نہ ہو، کا واسطہ دے کر دعا کرنا خلاف شریعت ہے۔ بہرحال اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اس طرح ایمان لانے کو عقیدۂ توحید کہا جاتا ہے جس کا اعتراف لا الٰہ الا اللہ کہہ کر کیا

جاتا ہے۔

تمام نبیوں اور رسولوں کی دعوت کا خلاصہ بھی توحید تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ.﴾ (الانبیاء:۲۵)

''یقیناً ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کے پاس یہی پیغام بھیجا کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے لہٰذا تم میری عبادت کرو۔''

اقسامِ توحید

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کے تعلق سے کتاب وسنت میں جو نصوص وارد ہیں ان کی روشنی میں علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق تین اہم پہلوؤں سے توحید کا عقیدہ ضروری ہے:

۱- توحید ربوبیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کو ربوبیت کے اعتبار سے ایک سمجھنا۔ یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ ساری کائنات کا خالق صرف وہی ہے اور اس کائنات میں جو کچھ بھی رونما ہوا ہے اور جو ہو رہا ہے یا جو کچھ ہونے والا ہے، صرف اس کی تدبیر وحکمت سے ہے۔ اس میں کوئی بھی مخلوق اس کے ساتھ شریک و دخیل نہیں ہے، اس کو توحید ربوبیت کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تنہا رب ہونے کا اعتقاد رکھنا۔

سورہ فاتحہ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o﴾

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی شان ربوبیت کا تذکرہ بارہا کیا ہے اور بسا اوقات اپنی شان ربوبیت کو اپنی شان الوہیت کے لئے حجت و برہان کے طور پر پیش کیا ہے۔

آیئے ذرا قرآن کریم کی چند آیتوں کو پڑھتے چلیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ربوبیت کا تذکرہ ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ٥ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ٥ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ٥ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ٥ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ٥ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ٥ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ٥ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ٥ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ٥﴾

(سورہ عبس: ۲۴-۳۲)

''حضرت انسان کو اپنے کھانے کی طرف غور کرنا چاہیے۔ ہم ہیں کہ جس نے پانی نازل کیا ہے۔ پھر ہم ہی نے زمین کو پھاڑا ہے۔ پھر اس میں دانہ اور انگور کو نیز ککڑی، زیتون، کھجور اور گھنے باغات کو، اور پھلوں اور چاروں کو اگایا ہے، جو کہ تمہارے لئے اور تمہارے چوپایوں کے لئے سامان زندگی ہیں۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ٥ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ٥ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ٥ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ٥ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ٥ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ٥ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ٥ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ٥ بَلْ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَo اَفَرَءَ يْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَo لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَo (الواقعة: ۵۸-۷۰)

''کیا تم اس امر پر غور نہیں کرتے کہ جو منی تم عورتوں کے رحم میں گراتے ہو، کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم؟ ہم ہی ہیں کہ جس نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے، اور ہمیں کوئی اس سے عاجز نہیں کرسکتا ہے کہ تمہارے مثل کوئی متبادل مخلوق بنادیں۔ اور ہم (دوبارہ) تم لوگوں کو اس عالم میں اٹھائیں گے جس کو تم نہیں جانتے اور یقیناً تم پہلی مرتبہ پیدا کئے جانے کو تو جانتے ہی ہو، پھر کیوں نہیں نصیحت قبول کرتے ہو؟ کیا تم لوگوں نے اس چیز پر غور کیا جس کی کاشتکاری کر رہے ہو، کیا تم لوگ اس کی کاشتکاری کرتے ہو یا ہم اس کی کاشتکاری کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے برباد کردیں پھر تم حیرت زدہ ہوکر یہ کہو کہ ہماری تو محنت ہی اکارت گئی، بلکہ ہم محروم ہوکر رہ گئے۔ کیا تم اس پانی پر غور نہیں کرتے جسے تم پیتے ہو؟ کیا تم لوگوں نے اسے بادلوں سے نازل کیا ہے، یا ہم نازل کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے سخت ترین نمکین بنادیں۔ پھر جب ایسی بات ہے تو تم لوگ کیوں نہیں شکر ادا کرتے ہو؟''

علامہ اقبالؒ نے غالباً انہی آیات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آباء کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ.﴾

''یقیناً زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے۔''

۲- توحید الوہیت وعبودیت

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو عبادت وبندگی کے تمام مظاہر کا مستحق سمجھا جائے، مثلاً قیام، رکوع، سجود، خشوع وخضوع، تذلل، دعا وسوال، استغاثہ واستعانت، نذر ونیاز، قربانی جیسے افعال جو خالص عبادت کے مظاہر ہیں، انہیں اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہ کیا جائے۔ اس کو توحید الوہیت یعنی اللہ کے تنہا معبود حقیقی ہونے کا اعتقاد رکھنا کہتے ہیں۔ قرآن واحادیث میں عقیدۂ الوہیت پر کافی زور دیا گیا ہے اور کفر وایمان، شرک وتوحید کے درمیان ہمیشہ سے سبب اختلاف یہی بنیادی مسئلہ رہا ہے۔

اگر ہم قرآنی آیات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے مشن پر غور کریں تو ہمیں یہی معلوم ہوگا کہ ان کی تمام تر دعوت کا مرکزی نقطہ، توحید الوہیت ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ﴾
(المومنون: ۲۳)

''اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا پھر انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

﴿وَاِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ﴾ (العنکبوت:۱۶)

''اور ابراہیمؑ کو یاد کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔''

اور قوم عاد اور اس کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ.﴾

(الاعراف: ۶۵)

''قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، تو انہوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔''

اور قوم ثمود کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ.﴾

(الاعراف: ۷۳)

''قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔''

اور قوم شعیب کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ.﴾

(الاعراف: ۸۵)

''مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِيْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ. ﴾ (المائدہ: ۱۱۶-۱۱۷)

''اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ عیسی بن مریم سے کہے گا: کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا: تم لوگ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ تو عیسیٰ بول اٹھیں گے: تیری پاکی ہے میری کیا مجال ہے کہ میں ایسی بات بولوں جسے بولنے کا حق نہیں ہے میں نے ان سے وہی بات کہی جو تو نے مجھے کہنے کا حکم دیا تھا۔ یعنی یہ کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔''

خود نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تو فرمایا:

﴿ یا ایها الناس قولوا لا الٰه الا اللّٰه تفلحوا. ﴾

''اے لوگو! تم لوگ لا الہ الا اللہ کہو کامیاب رہو گے۔''

ایک جگہ سارے انبیاء کی دعوت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ. ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کے پاس یہی پیغام بھیجا کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ لہٰذا تم لوگ میری ہی عبادت کرو۔''

توحید الوہیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ نصاریٰ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلاثَةٍ، وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ.﴾ (المائدہ: ۷۳)

''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ معبود حقیقی تو صرف ایک ہی معبود ہے۔''

یاد رہے — جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے — کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اعتراف کا مسئلہ تقریبا تمام ہی قوموں کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مسلمہ حقیقت کو توحید الوہیت کے لئے دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے اور بار بار اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ جب تم لوگ اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہو تو پھر اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

چنانچہ سورۂ نمل میں استفسارانہ انداز میں اس کج روی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ، مَاكَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا أَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ٥﴾

﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلالَهَا اَنْهَارًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ، وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا، أَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ٥﴾

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ أَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ٥﴾

﴿ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ أَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

﴿ اَمَّنْ يَّبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ أَ اِلٰـهٌ مَعَ اللّٰهِ، قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. ﴾ (النمل: ٦٠-٦٥)

”کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جس نے آسمانوں سے تم لوگوں کے لئے پانی نازل کیا ہے۔ (وہ میں ہوں) پھر ہم نے ہی اس پانی سے شاندار قسم کے باغات اگائے، تمہارے بس کی بات نہیں کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اُگا سکو، کیا اللہ کے کوئی اور معبود ہے؟۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ ایسی قوم ہیں کہ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو اس کے برابر شریک کرتی ہے۔“

”وہ کون ہے جس نے زمین کو استقرار عطا کیا اور اس کے درمیان نہروں کو بنایا ہے، اور زمین کے لئے (پہاڑ کی شکل میں) میخ بنائے ہیں۔ اور دو سمندروں کے درمیان حد فاصل بنایا ہے؟ (وہ ہم ہیں)۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ معاملہ دراصل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔“

”وہ کون ہے جو مجبور انسان کی پکار کو سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم لوگوں کو زمین کا خلیفہ بنایا؟ (وہ ہم ہیں)۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ تم لوگ بہت تھوڑی سی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“

”وہ کون ہے جو تم کو بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ بتاتا ہے۔ اور وہ کون

ہے جو اپنی رحمت سے پیشتر ہوا کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے بلند و بالا ہے۔"

"وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق عطا کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اپنی دلیلیں لے کر آؤ، اگر تم سچے ہو تو آپ کہہ دیجئے جو لوگ بھی آسمانوں اور زمینوں میں، ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ وہ لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

بہرحال اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی طرح اس کی الوہیت بھی توحید کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے توحید ربوبیت کا اعتراف کرنے کے بعد بڑی حماقت کی بات ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کیا جائے۔

۳- توحید الاسماء والصفات

توحید کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن اسماء وصفات کو اپنے لئے جن معانی میں استعمال کیا ہے ان کا اطلاق صرف اسی کے لئے کیا جائے، ان کو انہی معانی میں کسی دوسری مخلوق کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یاد رہے بعض اسماء کا کسی بھی طرح سے مخلوق کے لئے استعمال جائز نہیں ہے۔

مثلاً "اللہ" کا لفظ، یا خالق کا لفظ، یا رب العالمین کا لفظ، اسی طرح محیی وممیت اور رازق ورزاق جیسے اسماء وصفات کہ جن کے معانی میں کوئی بھی مخلوق کلی یا جزوی طور پر اللہ کی اس صفت میں شریک نہیں بن سکتی ہے۔

البتہ بعض صفات ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنے لئے بھی

استعمال کیا ہے اور اپنی بعض مخلوقات کے لئے بھی۔

مثلاً کریم، رؤف، رحیم، عزیز اور مالک جیسی صفات۔ تو ان کا اطلاق قرآن واحادیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا ہے، وہاں پر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال کو بیان کرتے ہیں اور اس کی ذات کی طرح اس کی صفات کو بھی ازلی وابدی ہونے کو بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہ مخلوق کے وجود سے قبل خالقیت کی صفت سے متصف تھا۔ وہ کائنات کے وجود سے پہلے رب ہونے کی صفت سے متصف تھا۔ بہرحال اس کی ہر صفت اس کی ذات کی طرح کمال اور بے نیازی پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ رحمٰن و رحیم ہے تو رحمت کے تمام تر معانی اس کی ذات میں موجود ہیں۔ رحمت کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں ہوسکتا ہے جو اس کی ذات میں نہ ہو کر کسی مخلوق میں پائی جائے۔ اسی پر دیگر صفات کو بھی قیاس کر لیجئے اور جہاں اس طرح کے الفاظ مخلوق کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہاں پر اس کے معانی اس طرح سے مقصود نہیں ہیں۔ چنانچہ مخلوق کی ہر صفت اس کی ذات کی طرح اپنے وجود سے لے کر بقا تک اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور یہ پہلا اور بنیادی فرق ہے خالق اور مخلوق کی صفات میں کیونکہ خالق تعالیٰ اپنی ذات و صفات دونوں میں بے نیاز و بے مثال ہے جبکہ مخلوق کوئی بھی ہو، نہ اپنی ذات میں بے نیاز و بے مثال ہے، نہ اپنی صفات میں۔ بلکہ جس طرح اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور اس کی قدرت کی رہین منت ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی۔

دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی بھی صفات کمال سے متصف نہیں ہوسکتی ہے، یعنی ایسی کوئی بھی صفت مخلوق میں نہیں تصور کی جاسکتی ہے

کہ جس سے بڑھ کر وہ صفت کہیں نہ پائی جاسکتی ہو۔مخلوق کی ہر صفت میں نقص وخلل کا امکان ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔

اور غالبًا اللہ تعالیٰ نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ. ﴾ (یوسف: ٧٦)

''اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر علم والا پایا جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا. ﴾ (الاسراء: ٨٥)

''اور تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔''

اور اس سے واضح الفاظ میں اس معنی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿جعل اللّٰه رحمة فی مائة جزء فامسک عنده تسعة وتسعين جزءاً وانزل فی الارض جزءاً واحدا، من ذلک الجزء تراحم الخلق حتی ترفع الفرس حافرها عن ولدها خشية عن تصيبه. ﴾ (رواه البخاری عن ابی هريرة، الحديث ٦٠٠٠، ٦٤٩٩)

''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو اجزاء بنائے، پھر اس کے ننانوے اجزاء کو اپنے پاس روک لیا اور صرف ایک جزء (۱/۱۰۰) کو زمین میں نازل کیا، اسی رحمت کے ایک جزء سے پوری مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کا برتاؤ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑا بھی اپنے بچہ کے اوپر سے اپنا کھر (سنبھال کر) اٹھالیتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں اس کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔''

غور کریں رحمت جو ایک قابل قدر صفت ہے، اگر ساری مخلوقات، ابتدائے آفرینش سے لے کر تا قیامت جن میں انسان حیوان چرند پرند سب

شامل ہیں، کے رحم وکرم کے جذبہ کو اکٹھا بھی کردیا جائے تو اصل رحمت کا ۱۰۰/۱ حصہ ہی ہوگا۔ اور اگر کسی فرد کے جذبۂ رحمت کو معلوم کرنا چاہیں کہ اس ۱۰۰/۱ سے اس کی کیا نسبت ہوگی تو شاید دنیا کے سارے ماہرین ریاضیات بھی اس قلیل نسبت کو معلوم نہ کرسکیں اور شاید کوئی آلہ قیامت تک ایجاد ہوسکے گا، جو اس انتہائی قلیل نسبت کو بتا سکے۔ اب اس تفصیل کے بعد آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور اسی پر دیگران تمام صفات کو سمجھ لیں جن کا اطلاق لفظی اشتراک کے ساتھ خالق و مخلوق دونوں پر ہوا ہے۔ قطرہ کو جو نسبت دریا سے ہے۔ شاید وہ نسبت بھی کسی مخلوق کی صفت کو اللہ کی صفت کے مقابلہ میں حاصل نہ ہو۔ سبحان اللہ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کے تعلق سے فرمایا:

﴿ لَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ. ﴾ (لقمان: ۲۷)

''اگر روئے زمین کے سارے درختوں سے قلم بنالئے جائیں اور جو سمندر ہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی (روشنائی بن جائیں پھر ان کے ذریعہ اللہ کی ذات وصفات قلم بند کی جائیں) تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّیْ. ﴾ (کہف: ۱۰۹)

''اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ہی

سمندر ختم ہو جائیں گے۔''

دونوں مذکورہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مقصود ہر وہ مدح وثنا ہے جو اس کی ذات وصفات سے متعلق ہے۔

تیسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ مخلوق کی صفات کو دوام وابدیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی تغیر، فنا اور زوال سے دو چار ہونے والی ہیں۔ چنانچہ ممکن ہے کہ کل تک جو کریم تھا آج بخیل ہو جائے۔ اور کل جو رحیم تھا آج وہ ظالم ہو جائے اور کل جو عزیز و غالب تھا آج وہ ذلیل و مغلوب ہو جائے۔ اور اگر اس تغیر سے بچ بھی جائے تو فنا اور زوال سے نہیں بچ سکتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔﴾ (ال عمران: ٢٦)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ تو ہی سلطنت کا مالک ہے تو ہی جسے چاہے سلطنت عنایت کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائی ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں ازلی و ابدی ہے۔''

بہر حال وہ الفاظ جو خالق ومخلوق دونوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ کی مخلوق اس کی ہمسر ہوسکتی

ہے۔ بلکہ یہ لفظی اطلاق واشتراک ہے نہ کہ معنی ومفہوم میں اطلاق و اشتراک، لہٰذا جو صفت اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کی ہے۔ اس صفت کا بعینہٖ اسی معنی ومفہوم میں کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس طرح کا اعتقاد رکھنا جائز ہے۔ یہی مقصود توحید الاسماء والصفات کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چند غور طلب باتیں

توحید کے یہ تینوں پہلو- یعنی توحید ربوبیت، اور توحید الوہیت، اور توحید الاسماء والصفات۔ جب تک ہمارے اعتقاد میں شامل نہ ہوں، اس وقت تک عقیدۂ توحید کا دعوی صحیح نہ ہوگا۔

چنانچہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق عرب کے کفار ومشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے ربوبیت کا اعتراف کرتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ کفر اور شرک میں مبتلا سمجھے گئے۔ اور پھر انہیں توحید الالوہیت اور توحید الاسماء والصفات کی طرف دعوت دی گئی۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

(لقمان: ۲۵)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''

یاد رہے کہ اس معنی کی آیتیں قرآن کریم میں متعدد بار آئی ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. ﴾ (العنکبوت: ٦١)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ یعنی پھر عبادت کیوں نہیں صرف اسی کی کرتے ہیں۔''

بہر حال اعتراف ربوبیت ان کو کفر وشرک سے نکالنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ربوبیت کے ساتھ الوہیت اور اسماء وصفات میں بھی اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا ضروری ہے۔

اللہ وحدہ لاشریک لہٗ پر اس طرح ایمان لانے کو عقیدۂ توحید کہا جاتا ہے، جس کا اعتراف ہم لا الہ الا اللہ کہہ کر کرتے ہیں۔

تمام نبیوں اور رسولوں کی دعوت کا خلاصہ توحید کی دعوت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

''یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کے پاس یہی پیغام بھیجا کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے لہٰذا تم لوگ میری ہی عبادت کرو۔''

☆ ☆ ☆

عقیدۂ توحید کی فضیلت

عقیدۂ توحید مومن کے لئے نجات کا ذریعہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں شرک انسان کی بربادی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کی برائی کو معاف نہیں کرے گا۔ جب کہ بڑی سے بڑی برائی کو اپنی رحمت سے معاف کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ.﴾ (النساء: ۴۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں معاف کرے گا اور اس کے علاوہ (دیگر برائی کو) جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چلے جارہے ہیں آپ کے ساتھ کوئی انسان نہیں تھا، کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ شاید آپ کو یہ پسند نہ ہو کہ کوئی آپ کے ساتھ چلے۔ چنانچہ میں چاند کے سائے میں چلنے لگا۔ اتنے میں آپ متوجہ ہوئے اور پھر مجھے دیکھ لیا۔ اور فرمایا: یہ کون ہے، میں نے عرض کیا: ابوذر، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر آؤ۔

کہتے ہیں کہ پھر میں آپ کے ساتھ تھوڑی دیر چلا۔ تو آپ نے فرمایا:
"یقیناً کثرت والے قیامت کے دن قلت والے ہو جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کیا ہو۔ پھر وہ اس میں سے اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے خرچ کرتے ہوں۔"

راوی کہتے ہیں کہ پھر میں آپ کے ساتھ ایک گھڑی چلا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر یہاں بیٹھو، کہتے ہیں کہ مجھے ایک میدانی جگہ میں بٹھا دیا جو کسی قدر نشیب میں تھی اور جس کے آس پاس پتھر تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھو۔ کہتے ہیں پھر آپ آگے میدان کی طرف اتنی دور چلے گئے کہ میں آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، پھر آپ مجھ سے دور وہاں ٹھہرے رہے، اور دیر تک ٹھہرے رہے، پھر میں نے آپ کو آتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے۔

﴿وان زنی وان سرق.﴾

"یعنی اگرچہ زنا کاری بھی کی اور اگرچہ چوری بھی کی۔"

اور جب آپ آگئے تو مجھ سے صبر نہیں ہو سکا، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ پر فدا کرے آپ اس میدان کے کنارے کس سے باتیں کر رہے تھے؟ میں نے کسی کو آپ کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے نہیں سنا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ وہ میدان کے کنارے میرے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنی امت کو یہ خوش خبری

دے دیجئے کہ جو آدمی اس طرح مرجائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

آپ کہتے ہیں کہ میں نے (جبرئیل سے) کہا کہ اے جبرئیل! اگرچہ اس آدمی نے چوری بھی کی ہو اور زنا کاری بھی کی ہو؟ تو جبرئیلؑ نے کہا: ہاں۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا: میں نے کہا اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا کاری بھی کی ہو؟ تو جبرئیلؑ نے کہا: ہاں۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۱، صفحہ ۲۶۰، حدیث نمبر ۶۴۴۳)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح کے اندر ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں بنی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے تاکیداً تین بار اس امر کی وضاحت چاہی کہ توحید کا اقرار کرنے والا، اور شرک سے دور رہنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ خواہ اس سے کتنے ہی بڑے گناہ کیوں نہ ہوئے ہیں۔

ایک وضاحت

اس طرح کی حدیثوں کے ظاہری مفہوم سے کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ کلمۂ توحید کے اعتراف کے بعد گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ، انسان کی عاقبت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ یعنی لا الہ اللہ کہنے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی ہے اور جہنم اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

اس نظریہ کو ارجاء کہتے ہیں اور اس نسبت سے اس نظریہ پر اعتقاد رکھنے والوں کو مرجئہ کہتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ دین کے منافی ہے۔ جیسا کہ آگے ہم بیان کریں گے۔

اس کے برعکس ایک دوسرا فرقہ ہے جو اس طرح کی حدیثوں کا سرے سے انکار کرتا ہے۔ اور اس کی نظر میں گناہ کبیرہ کا کرنے والا حتمی طور پر جہنم کا مستحق ہے۔ اور کافر اور ملت سے خارج ہے اس کی بخشش اور مغفرت کی امید ناجائز ہے۔ یہ عقیدہ خوارج کا ہے۔

اور اسی سے قریب قریب ایک تیسرے فرقہ کی رائے ہے کہ گناہ کبیرہ کے کرنے والوں کو نہ مومن کہا جا سکتا ہے اور نہ کافر۔ اور گناہ کبیرہ کرنے والوں کو اس کی سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اور یہ کسی طرح بھی جائز اور مناسب نہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کو معافی مل جائے۔ یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے جو کہ تقدیر کا بھی انکار کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کو ان کے ظاہری عمل کی بنیاد پر کافر خارج از ملت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گواہی دیتا ہے۔ کیوں کہ یہی وہ کلمہ ہے کہ جس کی سچی تصدیق سے ملت میں داخل ہوکر مومن ہوا ہے۔ لہٰذا پھر اسی کلمہ کی تکذیب و انکار سے ہی ملت سے خارج ہوکر کافر ومرتد ہوگا۔

جہاں تک اس کے چھوٹے بڑے گناہوں کا تعلق ہے تو وہ اس کے ایمان میں نقص کا سبب ہوں گے اس طرح اس کی نیکیاں ایمان کی کمی اور

کمزوری کا سبب تو بن سکتی ہیں مگر مکمل ایمان کے زوال کا سبب نہیں ہیں۔ جب تک دل میں اس کی تصدیق باقی ہے۔ اور اس کے گناہوں کی سزا و جزا کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اگر چاہے تو اس کی ساری بد اعمالیوں کو معاف کر کے سیدھا جنت میں داخل کر دے۔ اور بعض لوگوں کے ساتھ ایسا کرے گا بھی۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

اور اگر وہ چاہے تو گنہگار کے ہر ہر گناہ کی جو سزا اس کے ہاں مقرر ہے، دینے کے بعد ہی اس کو جنت میں داخل کرے۔

اور اگر چاہے تو گنہگار کے بعض گناہوں کی سزا دے اور بعض کو معاف کر دے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی عقیدہ صحیح و ثابت ہے اور اسی عقیدہ پر صحابہ کرام اور سلف صالحین تھے۔ اور آج بھی ان کے طریقوں پر چلنے والوں کا یہی عقیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ.﴾ (النساء: ۴۸)

''اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اس کے علاوہ جس کے لیے جو چاہے گا معاف کر دے گا۔''

اس آیت میں بیک وقت تینوں مذکور فرقوں کے باطل عقیدہ کی تردید موجود ہے۔ غور کیجئے:

﴿وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ.﴾ یعنی شرک کے ماسوا کی معافی کا اعلان۔

خوارج اور معتزلہ کے عقیدہ کو باطل کرتا ہے جو لوگ گناہ کبیرہ کرنے والوں کو نا قابل معافی سمجھتے ہیں اور ﴿لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ یعنی جس کے لیے چاہے گا۔ کا اعلان مرجئہ کے عقیدہ کو باطل کرتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ موجب سزا نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر گناہ سزا کا سبب نہ ہوتا تو پھر معافی کا اعلان بے معنی اور بے محل ہوگا۔

اس کے علاوہ احادیث کے اندر بہت سے ایسے نصوص موجود ہیں جن سے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی تائید اور مذکورہ باطل فرقوں کی تردید ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ دو قبروں سے گذرے تو فرمایا دونوں قبر والے اپنے قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہیں۔ اور پھر آپ ﷺ نے وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كان احدهما لايستتر من بوله وكان الاخر يمشي بالنميمة ....الخ.﴾ (بخاری ۱/۸۸۔ حدیث ۲۱۳، صحیح مسلم ۴/۲۳۰۷)

"ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے بچاؤ نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔"

بہر حال یہ حدیث مرجئہ کے اس عقیدہ کو باطل کرتی ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ مؤثر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی جو حدیثیں تارک صلاۃ و تارک زکاۃ وغیرہ کے بارے میں آئی ہیں، وہ بھی مرجئہ کے عقیدہ کی صریح تردید کرتی ہیں۔

اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت

کے متعلق وارد احادیث، خوارج اور معتزلہ کے عقیدہ کی تردید کرتی ہیں۔ اور بہت ساری حدیثیں اہل سنت والجماعت کے محکم عقیدہ کی تائید کرتی ہیں۔ جس کی تفصیل گذر چکی۔

توحید کا یہ عقیدہ درحقیقت ایمان کے دیگر ارکان کے لئے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمان کے دیگر ارکان اسی بنیادی عقیدہ کے تابع اور اس کے فروع ہیں۔ اس لئے بندہ مومن کو اپنے ''اللہ'' پر ایمان کے عقیدہ کو بہت صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔ اس کو کتاب وسنت پر مبنی اصول پر استوار کرنے کے لئے خالص اسلامی عقیدہ سیکھنے کی کوشش کرنی چاہے۔ اور سچے ایمان وعقیدہ پر ثابت قدم رہنے کے لئے اللہ سے دعائیں بھی کرنی چاہیے۔ درج ذیل دعائیں اس سلسلہ میں اپنے اوراد میں شامل کرلیں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.﴾

﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ.﴾

﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِيْنِکَ وَيَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ.﴾

☆☆☆

اللہ کے فرشتوں پر ایمان

ایمان کا دوسرا رکن اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ:

یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے نیک بندے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنو آدم سے پہلے پیدا کیا ہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص شکلیں عطا کی ہیں۔ البتہ اپنی خاص شکلوں کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسری شکلیں بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ جن میں انسانی شکل بھی شامل ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام کا انسانی شکل میں نبی کریم ﷺ کے پاس آنا ثابت ہے۔

عام مخلوقات سے ان کی طبیعت اس معنی میں مختلف ہے کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے پینے اور قضائے شہوت جیسی حاجتوں سے بے نیاز بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی صفت پر پیدا کیا ہے۔ لہٰذا معصیت اور نافرمانی ان کی فطرت سے خارج ہے۔ (الا ان یشاء اللّٰہ)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے لے کر بہت سے کاموں پر مامور

ہیں۔ اور ان کی مختلف جماعتیں ہیں۔

ان میں سے ایک جماعت اللہ تعالیٰ کا عرش اٹھانے پر مامور ہے۔

ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کا پیغام نبیوں اور رسولوں تک پہنچانے پر مامور ہیں۔

ان میں سے بعض لوگ مومن بندوں کی روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں اور بعض دیگر کافروں کی روحیں نکالنے پر مامور ہیں۔ ان میں سے بعض قبروں کے اندر مردوں سے سوال کرنے پر مامور ہیں، جنہیں منکر نکیر کہا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض پہاڑوں پر مامور ہیں اور ان میں سے ایک جماعت اللہ کے مومن بندوں کے لئے دعائے مغفرت پر مامور ہے۔

ان میں سے بعض علم و ذکر کی مجلسوں میں شرکت کرنے پر مامور ہیں اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے نیک بندوں کی مختلف مواقع پر مدد وتعاون اور ان کو بشارت وخوش خبری دینے پر مامور ہیں۔

ان میں سے بعض جنت کی دربانی اور بعض دیگر جہنم کی نگرانی پر مامور ہیں۔ جہاں تک ان کی تعداد کا تعلق ہے تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تعداد کا صحیح علم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔

چند غور طلب باتیں

اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق جنہیں فرشتے یا ملائکہ کہتے ہیں۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی اہم خصوصیات عطا کر رکھی ہیں۔ اور بہت اہم

ذمہ داریوں پر مامور کر رکھا ہے۔ اور یہ اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ ان سب کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ جو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔

لہٰذا ان کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شرک ہے۔ دعا وتعویذ کے لئے ان کے ناموں کا ورد کرنا، اور ان کو لکھ کر گلے یا جسم کے کسی حصہ میں باندھنا، اسی طرح ان کے ناموں کو کندہ کر کے یا لکھ کر تختی اور فریم بنا کر گھروں میں یا آفسوں میں لٹکانا، کم از کم بدعت ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ استغاثہ کا تصور وعقیدہ شامل ہو جائے تو شرک سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے اس طرح کی حرکتوں سے باز رہنے میں ہی عقیدۂ توحید کی سلامتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان

ایمان کا تیسرا رکن اللہ تعالیٰ کی ان کتابوں پر ایمان لانا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں اپنے مقرب بندوں یعنی انبیائے کرام پر نازل فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اجمالی طور پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے تمام رسولوں کو کتابیں عطا کی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

مثلاً ایک جگہ ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ.﴾ (حدید: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان نازل کیا تا کہ لوگ عدل کریں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ.﴾ (البقرہ: ۲۱۳)

''لوگ ایک امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے لئے (جنت کی) بشارت دینے والے اور (جہنم سے) ڈرانے والے ہوں، اور ان کے ساتھ کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا۔ تا کہ رسول لوگوں کے درمیان ان کے اختلافی امور میں فیصلہ کر سکے۔''

یاد رہے کہ اس وقت دنیائے انسانیت میں آسمانی صحیفوں کے نام سے جتنی بھی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ان چار کتابوں کے علاوہ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، کسی بھی کتاب کے بارے میں متعین طور پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آسمانی صحیفہ ہے۔ اور جن چار کتابوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، بالترتیب ان کی تفصیل یوں ہے:

(۱) توراۃ یا توریت: جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل یعنی یہود کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی۔

(۲) زبور: جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔

(۳) انجیل: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی۔

(۴) قرآن کریم: جو خاتم الانبیاء والرسل نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تمام دنیائے انس و جن کی ہدایت کے لئے آخری کتاب کے طور پر نازل کی گئی۔ اور جس نے پچھلی تمام آسمانی کتاب کو منسوخ کر دیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان چاروں آسمانی کتابوں میں سے قرآن مجید کے علاوہ دیگر تمام کتابوں کی علمی اور تاریخی حیثیت ناقابل اعتبار ہو چکی ہے۔ اگر ان میں سے کچھ باقی ہے تو صرف نام

باقی ہے۔ جس کی تائید قرآن کریم سے ہوتی ہے۔

اس لئے اجمالی طور پر ہم ان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔ البتہ ان کے اندر جو احکام و فرامین ہیں ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ ہم نہ ان کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔

البتہ ان آسمانی کتابوں کے جو واقعات یا احکام وفرامین، قرآن وسنت میں بطور حکایت بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی حقانیت پر ہم ایمان لاتے ہیں، کیونکہ ان کے حق ہونے کی گواہی اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

مثلاً نبیوں اور رسولوں کی سیرتیں، جس میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ وغیرہ اور ان کی قوم کے واقعات۔ جو قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔

اسی طرح بعض وہ احکام وفرامین جن کو قرآن یا حدیث میں توریت و انجیل کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ ہماری شریعت سے ٹکراتے نہ ہوں اور نہ ہی منسوخ ہوں۔ تو انہیں ہم بھی اپنے حق میں احکام شریعت تصور کرتے ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا.﴾ (المائدہ: ۴۴)

''یقیناً ہم نے تورات کو نازل کیا، جس کے اندر ہدایت اور نور ہے، اسی سے فرمانبردار انبیاء یہودیوں کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔''

آگے فرمایا:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.﴾ (المائدہ: ۴۵)

''اور ہم نے اس تورات کے اندر ان کے اوپر یہ فرض کیا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے، اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کے اندر بھی قصاص ہے۔ البتہ جو کوئی اپنے حق کو معاف کر دے تو یہ معافی اس کے لئے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہ کریں وہ لوگ ظالم ہیں۔''

ظلم اور زیادتی کا یہ قانون قصاص جسے قرآن مجید نے توریت کے حوالہ سے بیان کیا ہے ٹھیک اسلام کا بھی یہی قانون ہے۔

لیکن اگر قرآن وحدیث میں یہ بات مذکور نہ ہو تو صرف توریت کے حوالہ سے ہم اسے اسلامی قانون کا درجہ نہیں دے سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر قرآن وحدیث میں گذشتہ امتوں کے بعض قوانین کا تذکرہ موجود ہو مگر وہ اسلامی قانون سے صریح طور پر ٹکراتے ہوں۔ تو بھی وہ ہمارے لئے قابل اتباع نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کی حیثیت فقط تاریخ کے ایک واقعہ کی ہوگی۔ جس سے مقصود علم وآگہی اور وعبرت ہے۔

☆☆☆

ایمان کا چوتھا رکن

اللہ کے رسولوں پر ایمان

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے انہیں میں سے بعض بندوں کو یہ شرف بخشا کہ انہیں اپنے اور عام بندوں کے درمیان واسطہ بنا کر حق کا پیغام ان کے پاس بھیجتا رہا، تا کہ وہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام حق پہنچادیں۔ اور لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور جہنم سے ڈرائیں اور جس کام میں اللہ کی رضا ہو اسے بتائیں تا کہ لوگ اس پر چلیں۔ اور جس میں اس کی ناراضگی ہو اسے بھی بتادیں تا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ اللہ کے ان مقرب بندوں کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ نبی اور رسول کے درمیان فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مستقل شریعت عطا کی ہو۔ اور نبی وہ ہے جو اپنے پیش رو رسول کی شریعت کا پابند رہا ہو۔

بہرحال نبیوں اور رسولوں کی یہ جماعت اللہ کے نزدیک دنیائے انسانیت کی سب سے مکرم اور معظم جماعت ہے۔ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عام انسانوں کے لئے اسوہ یا آئڈیل بنایا ہے۔ لہٰذا ان کی اطاعت اور فرمانبرداری عام انسانوں پر واجب ہے۔ ان نبیوں و رسولوں کے اندر بھی

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کر رکھی ہے۔ کسی کو کسی خصوصیت سے نوازا، تو کسی کو کسی اور خصوصیت سے نوازا۔

ارشاد باری ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ. ﴾ (البقرہ: ۲۵۳)

''وہ رسولوں کی جماعت ایسی ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے اوپر فضیلت عطا کر رکھی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی بھی کی ہے[1]۔ اور بعض دیگر کو بلند درجات عطا کئے ہیں۔''

ان میں سب سے بلند مرتبہ ہمارے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا۔ جنہیں صرف انسانوں نہیں بلکہ انسانوں اور جنوں دونوں کے لئے رسول بنایا۔ اور جن پر رسالت و نبوت کا سلسلہ بھی ختم کر دیا۔

اور جن کی شریعت کو قیامت تک کے لئے تمام انس و جن کے لئے شریعت قرار دیا۔ جن پر ایمان لانا تمام دنیا والوں پر واجب قرار دیا گیا۔

جن پر ایمان نہ لانے والا کافر اور مشرک قرار پایا۔ اور اس کے خون اور مال کو مباح قرار دیا گیا۔

جن کی شخصیت کو ساری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا گیا۔

جن کی امت کو دنیا کی سب سے بہتر امت قرار دیا گیا۔

اور جو خود اور جن کی امت کے تمام لوگ ساری دنیا کے خلاف حق

---

[1] جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ مقام طور پر ہم کلام ہوا اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے معراج کی رات ساتوں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہم کلام ہوا۔

کے گواہ ہیں۔ اور قیامت میں بھی حق کی گواہی دیں گے۔

جن کی شریعت، باقی تمام انبیاء کی شریعت کے مقابلہ میں آسان اور تمام خوبیوں پر مشتمل ہے۔

چند غور طلب باتیں

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان پر انبیاء کے تعلق سے دو قسم کا ایمان واجب ہے۔

(۱) اجمالی ایمان

جس کا کسی قدر تذکرہ پیچھے کیا گیا اور مزید یہ کہ ہم اجمالی طور پر یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بستی اور ہر قوم کی ہدایت کے لیے انبیاء کو بھیجا ہے۔ لیکن جن انبیاء کا تذکرہ قرآن وحدیث میں متعین طور پر نہیں کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ نبی تھے کہ نہیں۔ اس لیے دنیا میں وہ قومیں جن کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ قرآن میں نہیں ہے۔ ان کے قدیم مذہبی رہنماؤں اور ان کی کتابوں کے بارے میں ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نبی تھے۔ اس لئے ہم ان پر ایمان لانے کے مکلّف نہیں ہیں۔

البتہ جن انبیاء ورسل کا تذکرہ قرآن کریم میں ان کے ناموں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان پر متعین طور پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ اللہ کے مقرب بندے اور اس کے نبی ورسول تھے۔

قرآن کریم میں کل پچیس ۲۵ نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ ہے۔ جن کے ناموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔	حضرت آدم علیہ السلام	۲۔	حضرت ادریس علیہ السلام
۳۔	حضرت نوح علیہ السلام	۴۔	حضرت لوط علیہ السلام
۵۔	حضرت ہود علیہ السلام	۶۔	حضرت صالح علیہ السلام
۷۔	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۸۔	حضرت اسماعیل علیہ السلام
۹۔	حضرت اسحاق علیہ السلام	۱۰۔	حضرت یعقوب علیہ السلام
۱۱۔	حضرت یوسف علیہ السلام	۱۲۔	حضرت شعیب علیہ السلام
۱۳۔	حضرت یونس علیہ السلام	۱۴۔	حضرت ایوب علیہ السلام
۱۵۔	حضرت ذوالکفل علیہ السلام	۱۶۔	حضرت داؤد علیہ السلام
۱۷۔	حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۸۔	حضرت موسیٰ علیہ السلام
۱۹۔	حضرت ہارون علیہ السلام	۲۰۔	حضرت الیاس علیہ السلام
۲۱۔	حضرت زکریا علیہ السلام	۲۲۔	حضرت یحییٰ علیہ السلام
۲۳۔	حضرت الیسع علیہ السلام	۲۴۔	حضرت عیسیٰ علیہ لسلام

۲۵۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ

ان میں سے پانچ شخصیتوں کو اولوالعزم (بلند رتبے والے) انبیاء کہا جاتا ہے۔ اور وہ یہ لوگ ہیں:

۱۔	حضرت نوح علیہ السلام	۲۔	حضرت ابراہیم علیہ السلام

۳-	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۴-	حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۵- خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ

ان پانچ انبیائے کرام کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے باقی دیگر انبیاء پر بہت سے امور میں فوقیت عطا کر رکھی ہے۔ اور پھر ان پانچوں میں بھی آخری نبی ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کو خصوصا جو مراتب ومناقب عطا کیے وہ اور کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

یوم آخرت پر ایمان

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ یہ دنیا ایک دن فنا ہوجائے گی۔ اور اس کی ایک انتہاء ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے نہیں بنایا ہے۔ بلکہ یہ ایک محدود وقت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اس دنیا کو عمل وکردار کی دنیا قرار دیا ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان ایک مختصر مدت کے لئے آتا ہے اور پھر یہاں سے چلا جاتا ہے۔

یہاں پر وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا ریکارڈ تیار کیا جاتا ہے۔ چاہے نیکی کرے یا بدی۔ پھر اس کی نیکی کا بدلہ دوسری دنیا یعنی آخرت میں آرام کی صورت میں ملتا ہے، جس کی بہت سی شکلیں ہیں اور اس کا مجموعہ جنت ہے۔

اور بدی کا بدلہ دوسری دنیا میں سزا اور تکلیف کی صورت میں ملتا ہے اس کی بھی بہت سی شکلیں ہیں جس کا مجموعہ جہنم ہے۔

قرآن کہتا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ.﴾ (الرحمن: ٢٦)

''جو بھی اس روئے زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم لوگ اپنا بدلہ قیامت کے دن چکائے جاؤ گے۔ پھر اس وقت جو جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب رہا۔''

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَّرَهُ.﴾ (الزلزال: ۸-۷)

''جس نے اس دنیا میں ایک ذرہ برابر نیکی کی تو اسے دیکھے گا۔ (یعنی اس کا بدلہ دیا جائے گا)۔ اور جس نے ایک ذرہ برابر برائی کی تو وہ بھی اس کا بدلہ پائے گا۔''

عقیدہ آخرت کی مختصر وضاحت

عقیدۂ آخرت کے تعلق سے بعض ایسے اہم امور ہیں کہ جن کو جاننا اور ان پر اعتقاد رکھنا اس عقیدۂ آخرت کا لازمی تقاضا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری اخروی زندگی کے تین اہم مراحل ہیں: (۱) برزخ۔ (۲) قیامت یا محشر۔ (۳) دائمی آخرت۔ تینوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

آخرت کا پہلا مرحلہ: برزخ کی زندگی

یہ زندگی مرنے کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے۔ اور قیامت جس کی

تفصیل آگے آرہی ہے، کے قائم ہونے تک باقی رہے گی۔

اس زندگی میں پہنچنے کے بعد ہر شخص سے وہاں تین مختلف سوال کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک اس کے رب کے بارے میں جس کی وہ عبادت کرتا ہے۔

(۲) دوسرے اس کے رسول کے بارے میں جس کی اتباع کرتا ہے۔

(۳) تیسرے اس کے دین کے بارے میں جس پر چلتا رہا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی وہاں سے واپس ہوتے ہیں، اور وہ ان کے جوتوں کی ٹاپ سنتا ہے۔ جب لوگ واپس چلے جاتے ہیں تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پھر اسے بٹھاتے ہیں، بعد میں اس سے کہتے ہیں: تو اس نبی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا رہا تھا؟

جہاں تک مؤمن کا تعلق ہے تو وہ بول اٹھے گا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی وقت اس سے کہا جائے گا کہ تم جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں ٹھکانا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چنانچہ وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا۔

اور جہاں تک کافر یا منافق کا معاملہ ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نہیں جانتا، میں اس رسول کے بارے میں وہی کچھ کہتا رہا جو لوگ کہتے رہے۔ اس کے جواب میں اس سے کہا جائے گا، نہ تم نے جانا، نہ

تم نے پڑھا۔ پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیانی حصہ پر مارا جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ ایسی زور کی چیخ مارے گا کہ جو مخلوق اس کے اردگرد ہوگی اسے سنے گی، سوائے انس وجن کے۔

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ البتہ ترجمہ میں بخاری شریف کے الفاظ کی رعایت کی گئی ہے۔[1]

مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت براء بن عازبؓ نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی آیت:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ. ﴾ (ابراھیم: ۲۷)

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت کے ذریعہ ثبات عطا کرے گا۔''

عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ میت سے پوچھا جائے گا۔ تیرا رب کون ہے؟

تو وہ کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ یہی مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا جس میں اس نے فرمایا:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ. ﴾ (ابراھیم: ۲۷)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت کے ذریعہ ثبات عطا کرے گا۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔[2]

---

[1] دیکھئے بخاری شریف ۳/ ۲۰۵، حدیث ۱۳۳۸، اور صحیح مسلم حدیث-۲۸۷۰

[2] دیکھئے صحیح مسلم ۴/ ۲۲۰۱ حدیث ۲۸۷۱، اور قول ثابت سے مراد یہاں ان کا عقیدہ توحید اور عمل صالح ہے--- واللہ اعلم۔

اور ترمذی کی روایت کے مطابق۔ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ آیت کے متعلق فرمایا: یہ قبر کے بارے میں وارد ہے، جب کہ قبر والے سے کہا جائے گا کہ:

- تیرا رب کون ہے؟
- اور تیرا دین کیا ہے؟
- اور تیرا نبی کون ہے؟

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[۱]

بہر حال برزخ کی زندگی ایک حقیقت ہے، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف آیتوں اور نبی کریم ﷺ کی مختلف احادیث میں آیا ہے۔ اور پھر برزخ کی زندگی میں قبر کا عذاب، اور اس کے راحت وآرام کا پایا جانا بھی ایک دینی حقیقت ہے جو ہمارے عقیدۂ آخرت کا جزو ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً تم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے۔ تو اس کے اوپر صبح وشام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنت والوں میں سے ہے تو جنت والوں کا مقام۔ اور اگر جہنم والوں میں سے ہے تو جہنم والوں کا مقام۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا مقام ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو قیامت کے دن اٹھائے۔[۲]

---

[۱] سنن ترمذی ۵/۲۹۵ حدیث رقم ۳۱۲۰

[۲] دیکھئے: صحیح بخاری ۳/۲۴۲، حدیث ۱۳۷۹، وصحیح مسلم ۴/۲۱۹۹

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

قرآن کریم میں چونکہ زندگی کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک دنیاوی زندگی۔ دوسرے اخروی زندگی۔ اور اخروی زندگی کی زیادہ تر تفصیلات جنت وجہنم، قیامت، حشر ونشر اور حساب وکتاب سے متعلق ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ قیامت سے پہلے نہ کوئی زندگی ہے اور نہ اس کے احوال ہیں۔

یہ شبہات دراصل ان لوگوں نے اٹھائے ہیں جنہوں نے ایک طرف حدیث کی حجیت کا انکار کیا ہے۔ تو دوسری طرف قرآن مجید میں کج فہمی پر مبنی بے لگام تاویلات کی ہیں۔ ورنہ حقیقت میں سلف صالحین کے اندر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور قرآن و حدیث میں برزخ کی زندگی جسے ہم قبر کی زندگی کہتے ہیں، کا ثبوت موجود ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون کے غرقاب ہو کر مرنے اور مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا کیے جانے کا منظر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَوَقَاهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَامَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ○ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○﴾ (غافر: ۴۵-۴۶)

''اس مرد مومن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر وفریب سے بچا لیا، اور آل فرعون پر برا عذاب آپڑا، یعنی آگ کا عذاب۔ جس پر وہ لوگ صبح وشام پیش کیے جارہے ہیں۔ اور قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا) کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔''

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے ساتھ ہونے والے دو عذاب کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک وہ جو مرنے کے بعد صبح وشام پا رہے ہیں۔ دوسرے وہ جو قیامت کے دن جہنم میں داخلہ کے ساتھ ملے گا۔

ظاہر ہے پہلا عذاب وہ برزخ کی زندگی کا عذاب ہے۔ جس سے وہ دوچار ہیں۔ اس طرح ہر وہ انسان جو عذاب کا مستحق ہوا اور اللہ کی رحمت سے محروم رہا وہ اپنی قبر میں عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔

اسی طرح سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرد مومن کے تذکرہ میں فرمایا جو کہ اپنی قوم کو نبی کی اتباع کی دعوت دے رہا تھا اور پھر وہ اسی دعوت کی راہ میں مر جاتا ہے۔ اور مر جانے کے بعد اللہ کی مغفرت اور اس کے اکرام کا مستحق ہوتا ہے۔ تو وہاں سے یعنی عالم برزخ سے یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی قوم کو اس کی اس مغفرت و اکرام کا پتہ چلتا تو وہ لوگ بھی ایمان لے آتے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ﴾

(یٰس: ۲۷-۲۵)

''وہ مرد مومن اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے: یقیناً میں تم لوگوں کے رب پر ایمان لے آیا ہوں۔ لہٰذا تم میری سنو۔ (اور ایمان لے آؤ) (مگر ان لوگوں نے الٹا اسے مار ڈالا) چنانچہ اس سے کہا گیا: تو جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا: اے کاش کہ میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے میری کس

طرح مغفرت فرمائی۔ اور مجھے ان لوگوں میں بنایا، جن کی عزت کی گئی۔"

یہ آیتیں بھی برزخی زندگی کی وضاحت کرتی ہیں، کیونکہ مرد مومن اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: کہ کاش اس کی قوم اللہ کی مغفرت و عزت و احترام کو جان لیتی۔تو وہ بھی اسی طرح مومن بن جاتی۔

ظاہر ہے اس کی یہ تمنائیں برزخی زندگی سے متعلق ہیں نہ کہ قیامت سے کیونکہ قیامت میں اس طرح کی تمنا سے اس کی قوم کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔

یہ قرآنی دلیلیں ہیں۔ اور احادیث کے اندر برزخی زندگی کی اس سے زیادہ تفصیلات مذکور ہیں۔

گذشتہ سطور میں قبر کے تعلق سے جن حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ سب احادیث کے نصوص سے ماخوذ ہیں۔ یہ مختصر کتاب ان سب نصوص کے ذکر کیے جانے کی متحمل نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس موضوع کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔

التذكرة في احوال الموتى والاخرة للقرطبي، احوال آخرت: مولانا صادق سیالکوٹی۔

مردوں کے لئے ایصال ثواب کا مسئلہ

جو لوگ اس مادی دنیا سے کوچ کر گئے، وہ اپنے ساتھ جو ایمان وعمل لے کر گئے، وہی ان کا اصل سرمایہ ہے جس سے وہ وہاں مستفید ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میت کے پیچھے تین چیزیں رہتی ہیں:

۱۔ اس کے اہل وعیال۔
۲۔ اس کا مال۔
۳۔ اس کے اعمال۔

دو چیزیں یعنی مال وعیال تو اس کا ساتھ چھوڑ کر یہاں دنیا میں رہ جاتے ہیں۔ البتہ ایک ہی چیز ہے جو اس کا ساتھ دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ برزخ تک جاتی ہے۔ وہ ہے اس کا عمل۔

گویا اصل اعتماد انسان کو اپنی برزخی زندگی میں اللہ کی رحمت ومغفرت کے ساتھ اپنے اس عمل پر کرنا چاہیے جو اس دنیا میں کرتا رہا ہے۔ اور یہاں سے جانے کے وقت بہت ساری امیدیں پھر یہاں سے وابستہ نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کی آخرت کے لئے کمائی کے روابط مرنے کے ساتھ منقطع ہو جائیں گے۔ اس لیے ذاتی طور پر انسان کو نیک اعمال کرتے رہنا چاہیے۔ دوسروں کے اعمال پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں اس امر پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ۝ ثُمَّ یُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی ۝﴾ (النجم ۳۹-۴۱)

''انسان کو صرف اس کی اپنی کوشش کا صلہ ملے گا۔ اور وہ عنقریب اپنی کوشش کا صلہ دیکھے گا۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

اور پورے قرآن پاک میں انداز بیان کے بہت معمولی فرق کے ساتھ پانچ مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ، کوئی بوجھ اٹھانے والا قیامت کے دن دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

چنانچہ سورہ انعام میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. ﴾ (الانعام: ۱۶۵)

''ہر نفس جو برائیاں کرتا ہے، وہ اپنے ہی خلاف کرتا ہے۔ یاد رہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

سورہ اسراء میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. ﴾ (الاسراء: ۱۵)

''جو گمراہ ہوا تو وہ اپنے ہی خلاف گمراہ ہوا۔ یاد رہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

اور اسی طرح سورۂ فاطر کی آیت: ۱۸۔ اور سورۂ زمر کی آیت: ۷۔ اور سورۂ نجم کی آیت: ۳۸، میں یہی بات دہرائی گئی ہے۔ اور غالبًا اس موضوع کے اعادہ وتکرار کا مقصد اس خیال اور نظریہ کی تردید ہے جس کے تحت دنیا کی مختلف قوموں میں لوگ دوسروں کے عمل وکردار پر تکیہ کرکے خود بدعملی کا شکار رہتے رہے ہیں۔

خصوصاً دین ومذہب کے رہنماؤں سے بے انتہا امیدیں وابستہ کرلینے کا جو عقیدہ یہود ونصاری یا مشرکین کے یہاں تھا اور اب بھی ہے، اسی کو باطل قرار دینا ہے۔

اور بلا واسطہ انسان کو اپنے نیک عمل وکردار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قریب کرنا مقصود ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اسلامی شریعت نے بعض ایسے مسائل مشروع قرار دیے ہیں، جن کے ذریعہ انسان مرنے کے بعد بھی

اس دنیا سے مستفیض ہوسکتا ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿ اذا مات ابن آدم انقطع عنه عمله الا من ثلاث، صدقة جارية، او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعو له. ﴾

''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ سوائے تین ذرائع کے۔ (وہ ہیں) صدقہ جاریہ۔ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر کررہی ہے۔''

صدقہ جاریہ سے مراد رفاہ عامہ کا ایسا کام جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو جائز فائدہ ہورہا ہے۔ مثلاً شفا خانے بنوانا، مدارس بنوانا، یتیم خانے تعمیر کروانا، کنویں کھدوانا، نہریں جاری کرانا، سڑکیں بنوانا، غریبوں کے لئے مکانات تعمیر کرانا یا کوئی معقول جائداد کا نیک کاموں کے لیے وقف کرجانا وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سب سے عام اور آسان طریقہ ایصال ثواب کا میت کے حق میں دعائے خیر کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مومنین کی صفت میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. ﴾ (الحشر: ۱۰)

''وہ لوگ جو مرجانے والوں کے بعد آئے۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہم لوگوں کی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے۔''

اس مقصد کے لئے میت کے حق میں نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔ اور پھر دفن کرنے کے بعد میت کے حق میں مزید دعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک میت کی قبر پر مٹی ڈال دینے کے بعد فرمایا:

''اپنے بھائی کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جانے والا ہے۔''

اور پھر مزید قبروں کی زیارت کا حکم اور زیارت کے موقع پر جو آداب سکھائے۔ اس میں بھی ان کے حق میں دعائے خیر شامل ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا) کہ جب ہم قبروں کی زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم یہ کہو:

﴿السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین انتم سلفنا ونحن خلفکم وانا انشاء اللّٰه بکم للاحقون یغفر اللّٰه لنا ولکم." وفی روایة. "نسئل اللّٰه لنا ولکم العافیة.﴾

''اس بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ تم ہم سے پہلے یہاں آنے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے آملیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی اور تم لوگوں کی مغفرت فرمائے۔''

دوسری روایت کے بموجب:

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت طلب کر رہے ہیں۔

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عالم برزخ میں جو لوگ ہیں۔ وہ اس دنیا میں رہنے والے اللہ کے نیک بندوں کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔

اس لئے اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کی تعلیم دی ہے اور یہی عقل اور منطق کا بھی تقاضا ہے۔ اور ہمارے عقیدۂ توحید کی اساس ہے۔ لہٰذا اس کے بر خلاف عالم برزخ میں رہنے والوں سے مدد طلب کرنا، ان سے اپنی حاجتیں بیان کرنا یا ان کا وسیلہ اختیار کرنا، ان کو اپنا مشکل کشا تصور کرنا، قرآن وحدیث کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اور عقیدۂ توحید، نیز عقل ومنطق کے بھی منافی ہے۔ اس لیے اس تصور اور نظریہ سے دور رہ کر اپنے عقیدہ وایمان کو محفوظ رکھنا چاہیے ورنہ شرک و بدعت کی وادی میں گر کر سارے نیک اعمال برباد ہو جائیں گے۔

اسی طرح میت کے حق میں مالی صدقہ اور اس کی طرف سے حج وعمرہ کرنا بھی ایصال ثواب کے مشروع طریقے ہیں۔

البتہ میت کے حق میں ایصال ثواب کے لئے مروجہ قرآن خوانی، تیجہ، چہلم، قبروں پر چادریں چڑھانا، اگربتی سلگانا، درخت وغیرہ لگانا، ان سب امور کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایسے کام سلف صالحین سے ثابت ہیں۔ اس لئے ایسے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

یہ ہے برزخی زندگی کی مختصر وضاحت جو کہ اخروی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے۔

آخرت کا دوسرا مرحلہ

آخرت کا دوسرا مرحلہ قیامت کا قائم ہونا ہے۔ قرآن وحدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ دنیا اپنی تمام تر کائنات کے ساتھ فنا ہو جائے گی۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو صور پھونکنے پر مامور کر رکھا

ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا وہ صور پھونکے گا۔ جس سے انتہائی بھیانک قسم کا زلزلہ رونما ہوگا۔ اور ساری دنیا تہس نہس ہو جائے گی۔ جو بھی مخلوق اس روئے زمین پر آباد ہوگی موت کے گھاٹ اتر جائے گی۔ یہ قیامت کا پہلا مرحلہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا، جس سے ساری دنیا کی مخلوقات دوبارہ اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس وقت وہ لوگ بھی زندہ اٹھائے جائیں گے جو صور پھونکنے سے قبل ابتدائے آفرینش سے مرے ہوں گے۔

ساری دنیا چٹیل میدان کی شکل اختیار کر جائے گی۔ جہاں نہ کوئی سایہ ہوگا اور نہ کھانا نہ پانی۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔

حساب وکتاب کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ میدان حشر میں اپنے عرش کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے عرش کے سایہ تلے پناہ دے گا۔ قیامت کے قائم ہونے اور حشر کے میدان میں ساری مخلوقات کو حساب وکتاب کے لئے اکٹھے کئے جانے کا تذکرہ قرآن وحدیث میں بار بار کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ الحاقہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ o وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةًo فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُo وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌo وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَائِهَاo وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌo يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى

مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ٥﴾ (الحاقة: ۱۸-۱۳)

''جب صور میں پہلی مرتبہ پھونکا جائے گا۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر آپس میں ٹکرا دیا جائے گا۔ پھر اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوجائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ پھر وہ اس دن بالکل کمزور ہوجائے گا۔ اور فرشتے اس پر ہر جانب ہوں گے۔ اور اس دن آٹھ فرشتے تیرے رب کا عرش اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم لوگ پیش کیے جاؤ گے۔ پھر تم سے کوئی بات چھپائی نہ جاسکے گی۔''

اور سورہ زمر میں اس موضوع کو دوسرے انداز سے یوں بیان کیا گیا:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ٥ وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِايۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ٥ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ٥﴾ (الزمر ۷۰-۶۸)

''صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر دم گھٹ کے وہ سارے لوگ مرجائیں گے۔ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ لوگ بھی جو زمین پر ہیں۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر دوبارہ اسی صور میں پھونکا جائے گا، پھر وہ سب اسی دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوجائے گی اور اعمال نامہ رکھا جائے گا۔ اور انبیاء اور گواہوں (یعنی امت محمدیہ) کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر کسی کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور

اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے، جو لوگ کر رہے ہیں۔''

سار ی دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کے عمل کو حشر کہتے ہیں۔ اور جس مقام پر یہ عمل ہوگا، اسے محشر یعنی میدان حشر کہتے ہیں۔ یہاں سب کو اپنے اپنے اعمال نامے دیے جائیں گے۔ نیک لوگوں کو ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جس کو پڑھ کر بہت خوش ہوں گے۔ اپنی اخروی زندگی کی راحت وآرام کی خوشخبری ایک دوسرے کو سناتے پھریں گے۔

اور برے لوگوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے۔ جسے پا کر وہ بہت زیادہ گھبرائیں گے، اور اس وقت حسرت وندامت کے احساس سے دم بخود ہوں گے۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر میدان حشر کے اس واقعہ کی منظر کشی کی گئی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآءُ وْمُ اقْرَءُ وْا كِتَابِيَهْo اِنِّي ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْo فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍo فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍo قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌo كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِo وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖo فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْo وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ o يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَo مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْo هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْo﴾ (الحاقة: ١٩-٢٩)

''پھر واقعہ یہ ہے کہ جو شخص اپنا نامۂ اعمال اپنے داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا لوگو! آؤ میری کتاب پڑھو، مجھے معلوم تھا کہ مجھے اپنے حساب سے دو

چار ہونا ہے۔ پھر ایسا شخص پسندیدہ عیش میں ہوگا، یعنی بلند باغ میں ہوگا۔ جس کے پھل قریب ہوں گے (ان کے لئے حکم ہوگا) کہ کھاؤ اور پیو مزے لے کر اس عمل کے بدلے میں جو تم نے بیتے دنوں میں کیا ہے۔ اور رہا اس کا معاملہ جس کو اس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ اس وقت کہے گا: کاش میں اپنا نامۂ اعمال نہ دیا گیا ہوتا۔ مین نے تو جانا ہی نہیں کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش کہ میری موت ہی ہو جاتی۔ میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ میری سلطنت مجھ سے چھن گئی۔''

اعمال نامے تقسیم ہونے کے بعد پھر حساب کتاب شروع ہوگا۔ یہ مرحلہ بھی انتہائی کربناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کے اوپر حجتیں قائم کرے گا۔ کسی کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ گناہوں کے اعتراف سے گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ دل سینوں میں دہل رہے ہوں گے۔ زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔ لوگوں کے جسم کے دیگر اعضاء وجوارح خود لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ لوگوں میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ ہر کوئی دوسرے سے پہلو بچاتا بھاگے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری نیکیاں مانگ لے۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾ (یٰسٓ: ۶۵)

''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں اس چیز کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ○ حَتّٰى اِذَا مَاجَاؤُهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ○﴾

(حٰمٓ السجدہ: ۱۹–۲۳)

''اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ کے دشمن جہنم کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے لائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ وہاں آجائیں گے۔ تو ان کے خلاف خود ان کے کان اور ان کی نگاہیں اور ان کی کھالیں اس چیز کی گواہی دیں گی جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم لوگوں نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ تو وہ بول اٹھیں گی: اس اللہ نے ہمیں گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی عطا کی ہے۔ اور وہی اللہ ہے جس نے تم لوگوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور پھر اسی کی طرف تم لوگ پلٹ کر جاؤ گے۔ تم ہی لوگ ہو کہ تم اس بات سے اجتناب نہیں کرتے تھے، کہ کہیں تمہارے خلاف خود تمہارے اپنے کان اور تمہاری اپنی نگاہیں اور تمہارے اپنے چمڑے گواہی نہ دیں۔ مگر معاملہ در اصل یہ ہے کہ تم لوگوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان ساری باتوں کو نہیں جانتا ہے جو تم کرتے رہے ہو۔ اور یہی تمہارا گمان جسے تم نے اپنے رب سے وابستہ کیا تمہیں برباد کر گیا۔ پھر خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔''

اس طرح حساب وکتاب بحث ومباحثہ کا یہ مرحلہ بہت طویل ہوگا، کیونکہ یہ محشر کا دن ہماری اس مادی دنیا کے حساب سے بالکل مختلف ہوگا۔ اس کا ایک موقف ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جیسا کہ سورہ سجدہ میں اللہ نے فرمایا:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (السجدہ: ۵)

''اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ اپنے عرش پر اس دن عروج فرمائے گا، جس دن کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہوگی۔''

یاد رہے یہ قیامت کے دن کا ایک وقفہ ہوگا۔

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی طوالانی یوں بیان کی ہے:

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج: ۴-۱)

''سوال کرنے والے نے کافروں کے حق میں واقع ہونے والے اس عذاب کے متعلق سوال کیا ہے جسے کوئی دفع نہیں کر سکتا ہے۔ جو بلندیوں والے اللہ کی طرف سے ہے جس کی طرف فرشتے اور جبریل اس دن عروج کریں گے۔ جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔''

یاد رہے اس دن کی طوالانی کا احساس برے لوگوں کو ہوگا۔ البتہ

مومنوں کو ایسا محسوس ہوگا جیسا کہ ایک نماز کا وقت گذرا ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے نبی کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو میدان حشر میں بہت سی کرامتوں سے نوازے گا۔

چنانچہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے حکم سے امت کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔

اور حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے کوثر نام کا حوض قائم کرے گا۔ جس کے ساقی آپ ﷺ ہوں گے۔ آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اللہ کے نیک بندوں کو حوض کوثر سے سیراب کریں گے۔ جو اس حوض کوثر سے پئے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔

امت محمد یہ کے بدعتی اور مشرک لوگوں کو اس حوض کوثر کی طرف جانے سے روکا جائے گا۔ اور پھر نبی کریم ﷺ کو جب ان کی بدعت پرستی کی اطلاع دی جائے گی تو آپ ﷺ خود بھی ایسے لوگوں کو دور بھگانے کا حکم دیں گے۔

جنت تک جانے کے لئے ایک پل کو عبور کرنا ہوگا جسے پل صراط کہتے ہیں۔ نیک لوگ اس پل کو عبور کرکے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ اور برے لوگ اس پر سے گذرتے ہوئے جہنم میں جاگریں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا○ ثُمَّ

نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا﴾ (مریم: ۷۲-۷۱)

''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے وہاں آنا نہ پڑے۔ تیرے رب کا یہ حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم متقیوں کو جہنم سے نجات دے دیں گے۔ اور ظالموں کو اس میں گھٹنے کے بل ڈھکیل دیں گے۔''

یہیں حشر کے موقع پر موت کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا جائے گا۔ اور موت وحیات کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔

اس طرح قیامت اپنے آخری مرحلہ پر پہنچ گی۔ اور تمام لوگوں کو دو جماعتوں میں بانٹ کر، ایک کو جنت اور دوسری کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

جنتیوں کا جنت کے دروازوں پر فرشتے پر جوش استقبال کریں گے۔ اور ان کو اس مقام پر آنے کی مبارکباد پیش کریں گے۔

اور جہنمیوں کو جہنم کے دروازوں پر سے ہی لعنت ملامت شروع ہو جائے گی۔ اور ان کو ان کے برے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا۔

قرآن کریم میں، قیامت کے اس آخری مرحلہ کی منظر کشی، اہل جہنم کے حق میں اس طرح کی گئی ہے:

﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْکَافِرِیْنَ. قِیْلَ ادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾ (الزمر: ۷۲-۷۱)

''اور کافروں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانک کر لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ لوگ وہاں تک پہنچ جائیں گے، تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے: کیا تم لوگوں کے پاس تم میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جو کہ تم پر تم لوگوں کے رب کی آیتیں تلاوت کرتے؟ اور تم کو تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے؟ تو وہ لوگ جواب دیں گے، ہاں آئے تو ضرور تھے اور آیتیں بھی سنائی تھیں، لیکن عذاب کا فیصلہ کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا: جہنم میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور تکبر کرنے والوں کے لیے وہ برا ٹھکانا ہے۔''

یہ منظر ہوگا اہل جہنم کے جہنم کی طرف ہانکے جانے اور اس میں داخل کیے جانے کا۔

اور جنت والوں کو جنت کی طرف جس تزک واحتشام کے ساتھ لے جایا جائے گا اور جس اہتمام کے ساتھ وہاں ان کی پذیرائی ہوگی۔ اس کا منظر اللہ تعالی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ٥ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ٥ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥﴾ (الزمر: ٧٣-٧٥)

''اور جو لوگ اپنے رب کا تقوی اختیار کرتے رہے۔ ان کو جنت کی

طرف جماعت در جماعت لے جایا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ وہاں پہنچ جائیں گے، اور جنت کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے، اور جنت کے دربان فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلامتی ہو، تم لوگ خوش وخرم رہو، پھر تم لوگ اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوجاؤ، اور تم فرشتوں کو عرش کے ارد گرد گھیرا لگائے دیکھو گے۔ جبکہ وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور الحمد للہ رب العالمین کہا جائے گا۔ یعنی تمام تعریفیں سارے جہاں کے رب کے لیے ہیں۔''

اور بظاہر قرآنی سیاق کے مطابق قیامت کے تمام مراحل اور اس کے تمام مناظر کا اختتام اس کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس طرح سے جو کافر ومشرک ہیں انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور جو مومن ومتقی ہوں گے انہیں ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کر دیا جائے گا، البتہ جو مومن گنہگار ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کی ساری برائیوں سے درگزر کر کے اسی وقت جنت میں داخل کر دے گا، اور اگر چاہے گا تو انہیں ان کی برائیوں کا بدلہ دینے کے لیے جہنم کا عذاب دے کر پھر وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر انہوں نے شرک کی برائی نہ کی ہوگی۔ جیسا کہ پہلے ابھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

عقیدہ آخرت کے تعلق سے ہمارا یہ بھی عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کے علاوہ تمام گناہ معاف کر سکتا ہے۔ خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔ اس لیے کسی بھی مومن بندے کے بارے میں، خواہ کتنی بھی برائی کر کے مرا ہو، کافر یا جہنمی ہونے کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہئے۔ نہ اس پر اس طرح کا حکم لگانا چاہئے۔

کسی بھی شخص کی معصیت یا جرم کی وجہ سے اسے گنہگار یا مجرم سمجھنا الگ بات ہے، جو جائز ہے۔ البتہ کسی بھی گناہ یا جرم کے ارتکاب پر کسی متعین شخص کو جہنمی یا کافر کہنا، ایک بالکل دوسری بات ہے۔ جو کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

لہٰذا جب تک اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے کسی کے بارے میں متعین طریقہ سے کوئی پیشین گوئی نہ کی گئی ہو اس وقت تک کسی مومن کو جہنم کا مستحق نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ جب تک اس کلمہ کا انکار اس سے ثابت نہ ہو، جس کے اقرار سے وہ مومن ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اس سے قبل گزر چکی ہے۔

یہ سب امور جن کی وضاحت کی گئی ہے ہمارے عقیدۂ آخرت سے متعلق ہیں۔ ان سب کی تفصیلات کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی امر کا انکار یا اس کی تاویل نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اسی طرح ان پر ایمان لانا چاہئے۔ جس طرح کتاب و سنت میں بیان کیا گیا ہے۔

واللہ اعلم۔

قیامت کب قائم ہو گی؟

قیامت اور اس کے متعلق جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ وہ سب کب واقع ہوں گی؟

اللہ تعالیٰ کے سوا اس بات کو کوئی نہیں جانتا ہے۔ فرشتوں سے لے کر نبیوں اور رسولوں تک کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا متعین وقت نہیں بتایا ہے بلکہ اس کو اپنے پاس صیغۂ راز میں رکھا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

”لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھ رہے ہیں کہ کب اس کے قائم ہونے کا وقت ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ اس کو اپنے وقت پر ظاہر کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ آسمان اور زمین پر اس کا معاملہ بڑا گمبھیر ہے۔ وہ تمہارے پاس، اچانک ہی آجائے گی۔ وہ لوگ آپ سے اس طرح سوال کررہے ہیں۔ گویا کہ آپ نے اس کے متعلق بہت زیادہ دریافت کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہی حقیقت نہیں جانتے ہیں کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔“

حدیث شریف میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے کہ قیامت کا علم کسی

کونہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام جب نبی کریم ﷺ کے پاس سوال کرنے والے کے روپ میں آئے تھے۔ تو انہوں نے آپ ﷺ سے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ: قیامت کب ہوگی؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ماالمسئول عنها بأعلم من السائل.

''اس سلسلہ میں جس سے پوچھا جارہا ہے۔ وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''

مقصود یہ تھا کہ آپ کو فرشتہ ہوکر اس کا علم نہیں ہے تو مجھے بھی نبی ہونے کے باوجود اس کا علم نہیں ہے۔ (بخاری شریف ۱/۱۱۴)۔ حدیث/۵۰)

البتہ قرآن اور حدیث کے بیان کے مطابق قیامت قریب آچکی ہے اور اس کے بعض آثار ظاہر ہوچکے ہیں۔ اور بعض ظاہر ہونے باقی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿يَسْئَلُكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا.﴾ (الاحزاب: ٦٣)

''لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی میں واقع ہوجائے۔''

یاد رہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے لئے شاید کی تعبیر استعمال کی وہ امید نہیں بلکہ تحقیق اور یقین کے معنی میں ہے۔

اور حدیث جبریل میں گو کہ آپ نے قیامت کے واقع ہونے کے

مقررہ وقت کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ مگر جبریل کی طرف سے قیامت کی نشانیوں کے متعلق سوال پر آپ ﷺ نے اس کی بعض علامات کی نشاندہی اسی موقع پر کی۔ اور بعض دیگر نشانیوں کی وضاحت آپ نے مختلف مواقع پر فرمائیں۔ جن میں سے بعض اہم علامات کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

حدیث جبریل میں آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وسأخبرك عن اشراطها: اذا ولدت الامة ربها، واذا تطاول رعاة الابل البهم فی البنیان" الخ﴾ (صحیح البخاری: ۱/۱۱۴، حدیث ۵۰)

''عنقریب میں تم کو اس کی نشانیوں کے متعلق خبر دینے والا ہوں۔ جب لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی، اور جب کالے اونٹوں کے چرواہے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔''

یعنی یہ صورت حال قیامت کے قریب ہونے کی خبر دے گی۔

من جملہ قیامت کی نشانیوں میں سے خود آپ ﷺ کی بعثت بھی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿بعثت انا والساعة کهاتین، واشار باصبعیه السبابة والوسطیٰ﴾

''میری بعثت وقیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہے۔ اور آپ ﷺ نے اسی دوران اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ والی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔''

(رواہ البخاری)

مقصود یہ تھا کہ جس طرح دونوں انگلیوں کے درمیان قربت ہے۔ اسی طرح میری بعثت اور قیامت کے درمیان قربت ہے۔

اسی طرح بعض دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے قریب

انسانی زندگی اور کائنات کی دیگر اشیاء کے اندر بھیانک قسم کا اضطراب پیدا ہوجائے گا۔ مثلاً: دین کے اندر علم وبصیرت کا فقدان ہوگا، جہالت عام ہوگی، مال ودولت کی ریل پیل ہوگی، بے حیائی اور بدکاری عام ہوجائے گی، قتل و غارت گری اور بہت سے فتنے پیدا ہوجائیں گے، زمین کے کھسکنے اور زلزلے کے واقعات کثرت سے رونما ہوں گے، نا اہل لوگوں کو ذمہ داریاں سونپی جائیں گی۔

بعض دیگر بڑی نشانیوں میں دجال کا نکلنا اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا ہے۔ اس کا نام دجال اس لئے ہے کہ دجل کہتے ہیں مکر وفریب دینے کو۔ چنانچہ دجال لوگوں کو غیر معمولی حرکات سے فریب دے گا۔ اور جو اس کے فریب میں نہیں آنا چاہے گا اسے مختلف ایذائیں دے گا۔

بہرحال دجال ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ جس سے نبی کریم ﷺ نے اللہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ یہ دجال دنیا میں ظلم وستم کا بازار گرم کرے گا۔ البتہ مدینہ منورہ میں یہ داخل نہ ہوسکے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالی مدینہ منورہ کے ہر چہار جانب فرشتوں کا پہرہ بٹھا دے گا۔ جن کے خوف سے اس کو اندر جانے کی ہمت نہ ہوگی۔ چنانچہ جو پکے مومن ہوں گے مدینہ منورہ کے اندر دجال کے شر سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو منافق ہوں گے وہ مدینہ سے نکل کر دجال کے مکر وفریب کا شکار ہوجائیں گے۔

اسی طرح قیامت کی ایک بڑی نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نزول ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا ہے۔ وہ قیامت کے قریب زمین پر اتارے جائیں گے اور پھر وہی دجال

کو قتل کریں گے، اور صلیب کو توڑیں گے، اور اسلامی شریعت کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کریں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت من مغربها، امن الناس كلهم اجمعون، فيومئذ لا ينفع نفسا ايمانها لم تكن امنت من قبل.﴾ (مسلم)

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے اور جب وہ طلوع ہوجائے گا تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے پھر اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جس نے اس سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا۔''

اس کے علاوہ اور بھی دیگر نشانیوں کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے جس کی تفصیل کی یہ کتاب متحمل نہیں ہے۔ ان میں سے حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جو روئے زمین پر عدل و انصاف قائم کردیں گے۔ اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا ہے۔ جو اس وقت کے لوگوں کے لئے انتہائی شدید قسم کے فتنہ کا سبب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے تمام تر فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا میں رہنے کی توفیق دے۔ اور جب اٹھائے تو بھی ایمان کی سلامتی کے ساتھ۔ اور قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ تلے پناہ دے۔ آمین یارب العالمین.

ایمان کا چھٹا رکن

تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کائنات میں رونما ہوتا ہے۔ خیر ہو یا شر، اختیاری افعال ہوں یا غیر اختیاری افعال، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے۔

تقدیر پر ایمان بالترتیب چار امور پر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی تقدیر پر ایمان لانے کے چار ارکان ہیں۔

تقدیر پر ایمان کا پہلا رکن:

پہلا یہ کہ اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے۔ جو ہو چکی ہے، اور اس کو بھی جانتا ہے جو ہو رہی ہے، اور ہونے والی ہے۔ چنانچہ وہ بندوں کے احوال، ان کی روزی، ان کی عمریں، اور ان کے اعمال وغیرہ کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ.﴾ (العنکبوت : ٦٢)

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا.﴾ (الطلاق : ۱۲)

''بلکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کرلیا ہے۔''

تقدیر پر ایمان کا دوسرا رکن:

تقدیر کا دوسرا رکن یہ ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو لکھ دیا ہے جس کے ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ.﴾ (ق: ۴)

''اور ہمارے پاس ریکارڈ بک ہے۔''

یعنی وہ کتاب ہے جس میں کائنات کے سارے امور محفوظ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِي اِمَامٍ مُّبِيْنٍ.﴾ (یٰسٓ : ۱۲)

''اور ہر چیز کو ہم نے امام مبین (لوح محفوظ) میں شمار کر کے رکھا ہے۔''

تقدیر پر ایمان کا تیسرا رکن:

تقدیر پر ایمان کا تیسرا رکن یہ ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اس کی مشیت اور اس کا ارادہ اس کائنات میں نافذ ہے، چنانچہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا ہے اور جو اس نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ جیسا کہ اس

کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ. ﴾ (الحج: ۱۸)

''یقیناً اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. ﴾ (یٰس:۸۲)

''یقیناً اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ہو جائے، تو وہ ہو جاتی ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَمَا تَشَآؤُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ. ﴾ (التکویر: ۲۹)

''اور تم جو چاہتے ہو کہ ہو جائے۔ وہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ رب العالمین نہ چاہے۔''

تقدیر پر ایمان کا چوتھا رکن:

تقدیر پر ایمان کا چوتھا رکن یہ ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ سبحانہ نے ہی تمام کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اور وہی اس کے اندر تصرف کر رہا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ رب اور مدبر ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (الزمر: ۶۲)

''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی ہر چیز پر نگراں ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:''

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝﴾

(الفرقان: ۲-۱)

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب (قرآن مجید) نازل کی تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ وہی ہے کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری سلطنت ہے۔ اس نے اپنے لئے اولاد نہیں اختیار کی، اور نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہر اعتبار سے اپنی تقدیر کا پابند بنایا۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان انہی مذکورہ چار امور کو شامل ہے۔ ان کو کلی طور پر تسلیم کرنا صحابہ کرام اور ان کے بعد تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک رہا ہے۔

تنبیہات

اس سے قبل کہ ہم ایمانیات کی بحث کو ختم کریں، مناسب ہوگا کہ ایمان کے تعلق سے چند اہم امور پر تنبیہ کرتے چلیں:

(۱) ایمانیات کے متعلق ہمارا یہ بھی اعتقاد ہونا چاہیے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ ہم پہلے دل سے تصدیق کریں۔ پھر زبان سے اقرار کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

گویا ایمان، قلبی تصدیق اور زبانی اقرار اور عملی اظہار کا نام ہے۔

(۲) ایمان اطاعت اور فرمانبرداری سے بڑھتا ہے۔ اور معصیت اور نافرمانی سے گھٹتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال: ۲)

''جب مومنوں پر قرآن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔''

(۳) ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہماری محبتیں اور دشمنیاں اللہ واسطے ہوں۔ اس لئے مومن کو مومن سے محبت ہونی چاہئے اور کافروں سے عداوت ونفرت ہونی چاہیے۔

اور خصوصیت کے ساتھ محبت ان لوگوں سے ہونی چاہیئے جو ہماری محبت کے مستحق ہیں۔ ان میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل بیت، اور آپ

کے تمام اصحاب، مہاجرین وانصار خصوصاً تمام خلفائے راشدین رضی اللہ علیہم اجمعین۔ نیز تمام مومنین وصادقین، اور علمائے دین اور ائمہ کرام ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

"اے ہمارے رب تو ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے اس دنیا سے ایمان کے ساتھ چلے گئے۔ اور (اے ہمارے رب) تو ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ پیدا کر یقیناً تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

اسی دعا کے ساتھ قلم کو روکنے کا ارادہ کررہا ہوں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں سے گذارش ہے کہ مؤلف کو اپنی نیک دعاؤں میں شامل رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف کرے۔ (آمین)

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت
استغفرک واتوب الیک
﴿اللّٰھم صل علی محمد﴾

عبدالقیوم محمد شفیع

اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) میں ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوئے اور وہیں کے ایک مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۷۶ء میں فضیلت کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ بعد ازاں لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری لی۔

موصوف نے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں (مہاراشٹر) میں ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۸ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دبئ کے مرکز جمعه الماجد للثقافة والتراث کے شعبہ مخطوطات کے انچارج کی حیثیت سے ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۱ء تک وابستہ رہے۔ بعد ازاں جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية (ریاض) کی شاخ كلية الشريعة واللغة العربية، رأس الخیمہ (متحدہ عرب امارات) میں ۱۹۹۱ء تا حال بحیثیت استاذ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

موصوف دینی علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں اور شارجہ ٹیلی ویژن پر سوال و جواب کے دینی و علمی مباحثہ میں ۱۹۹۱ء سے حصہ لیتے رہے ہیں جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دینی و علمی تحقیق میں حد درجہ شغف کی بنا پر عربی، اردو اور ہندی میں اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''ارکانِ ایمان'' سلسلہ آداب زندگی کے پہلے حصے ''ایمانیات'' سے متعلق ہے۔ اس میں موصوف نے عام فہم انداز میں ایمان کے بنیادی ارکان کو بیان کیا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے حصے بھی انشاء اللہ عنقریب شائع ہوں گے۔

مصنف کی دیگر تصانیف:

- علامہ رازی کی کتاب ''المحصّل'' کی شرح الکاشف مؤلف علامہ اصفہانی کی تحقیق (عربی)
- علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''جزيل المواهب'' کی تحقیق (عربی)
- عیسائیت سے نقاب کشائی (عربی سے ترجمہ)
- تقویۃ الایمان (ہندی ترجمہ)
- مومن کے روز و شب (زیر طبع)
- خواب کی شرعی حیثیت اور اس کی تعبیر (زیر طبع)
- السنة بين منهجي المتكلمين والفقهاء (زیر طبع)